متذکرہ بالا تمدنی اور عمرانی ارتقاء کا ساتھ دینے کی بجائے ہم تا حال پارلیمانی نظامِ حکومت اور موجودہ صوبوں کو ان کے ناموں سمیت محض انگریز کی وراثت کے طور پر اپنائے ہوئے ہیں' ورنہ واقعہ یہ ہے کہ پارلیمانی نظام کے حق میں کوئی عقلی دلیل موجود نہیں ہے اور یہ صرف یا تو ان ممالک میں رائج ہے جہاں ماضی میں انگریزوں کی عملداری تھی یا پھر ان میں جو انگریزوں ہی کی طرح کی روایت پرستی کے تحت سابقہ نظامِ بادشاہت کی علامتوں اور یادگاروں کو عجائب گھروں یا چڑیا گھروں کے مانند برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ رہے صوبے اور ان کی حدود اور نام تو ان کے ضمن میں تو ہماری انگریزوں کی وراثت میں سرِ مُو ترمیم یا تبدیلی سے گریز کی انتہاء کا مظہر یہ حد درجہ غیر معقول اور غیر منطقی رویہ ہے کہ ہم نے تا حال صوبۂ سرحد کا نام بھی تبدیل نہیں کیا۔ حالانکہ ''شمال مغربی سرحدی صوبہ'' متحدہ ہندوستان میں تو کسی درجہ درست نام ہوسکتا تھا' پاکستان میں تو یہ نام نہایت نامعقول ہی نہیں حد درجہ مضحکہ خیز بھی ہے۔ اس لئے کہ یہاں تو چاروں صوبے ''سرحدی'' ہیں۔ چنانچہ پنجاب شمال مشرقی سرحدی صوبہ ہے تو سندھ اور بلوچستان علی الترتیب جنوب مشرقی سرحدی صوبے اور جنوب مغربی سرحدی صوبے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور منطق کا کم از کم تقاضا یہ ہے کہ باقی صوبوں کے نام بھی اسی طور سے رکھ دیئے جائیں یا صوبۂ سرحد کو وہاں کے باشندوں کی خواہش کے مطابق پختونستان یا پختون خواہ کا نام دے دیا جائے۔ گویا ''یا چناں کن یا چنیں!''

اسلام اور سماجی انصاف

ایک مکمل نظامِ زندگی کی حیثیت سے اسلام کی اعلیٰ ترین قدر، اس کا آخری ہدف اور اصل مقصود و مطلوب عدلِ اجتماعی یعنی سماجی انصاف یا سوشل جسٹس ہے جس کے تین نمایاں ترین مظاہر ہیں: (۱) سماجی اور قانونی سطح پر کامل مساوات (۲) سیاسی سطح پر حریت اور (۳) معاشی سطح پر عدل و انصاف۔ چنانچہ اسلام ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جس میں نہ معاشرتی میدان میں اونچ نیچ اور ادنیٰ و اعلیٰ کا امتیاز ہو، نہ سیاسی میدان میں جبر و استبداد کا راج اور بندہ و آقا، حاکم و محکوم اور مستکبرین اور مستضعفین کی تقسیم ہو، نہ اقتصادی میدان میں انسان ظلم اور استحصال کے باعث Haves اور Have nots یعنی مترفین و محرومین میں منقسم ہوں!

یہاں ایک وضاحت ضروری ہے۔ ہوسکتا ہے کہ بعض حضرات کو خیال آئے کہ اسلام کی اعلیٰ ترین قدر تو تقرب الی اللہ اور تعلق مع اللہ یعنی بندہ اور ربّ کے مابین خلوص و اخلاص اور باہمی محبت و ولایت کا رشتہ ہے! تو اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ واقعہ یہی ہے کہ اسلام انفرادی سطح پر بندۂ مؤمن کو جو بلند ترین نصب العین عطا کرتا ہے وہ رضائے الٰہی اور فلاحِ اُخروی کا حصول ہے، لیکن اس حقیقت سے صرفِ نظر کر لینا بھی شدید قسم کی بے حسی اور ناانصافی ہوگی کہ جس خطۂ ارضی میں نظامِ اجتماعی ظالمانہ اور استحصالی ہو وہاں کے لوگوں کی عظیم اکثریت کولہو کے بیلوں اور باربرداری کے جانوروں کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے اور فرمانِ نبوی ﷺ ((کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَّکُوْنَ کُفْرًا)) یعنی ''قریب ہے کہ فقر و احتیاج کفر کی صورت اختیار کر لیں!'' اور قولِ شاعر ؎

''دنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کر دیا تجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار کے!''

کے مصداق ان میں نہ اتنا شعور باقی رہ جاتا ہے کہ اپنے خالق و مالک کی معرفت حاصل کر سکیں، نہ اتنی فرصت ہی حاصل ہوتی ہے کہ ع ''بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوئے!'' کے مصداق اُسے یاد کر سکیں یا اس سے لَو لگا سکیں! اس سلسلے میں امام الہند شاہ ولی اللہ

دبلوئی کا یہ قول آبِ زر سے لکھنے کے قابل اور لوحِ قلب و ذہن پر نقش کر لینے کا مستحق ہے کہ تقسیم دولت کا غیر منصفانہ نظام ایک دو دھاری تلوار ہے جو معاشرے کو دونوں جانب سے کاٹتی ہے' کیونکہ اس کے نتیجے میں ایک جانب ایک محدود طبقے میں دولت کا ارتکاز ہو جاتا ہے جس سے عیاشی اور بداخلاقی جنم لیتی ہے' اور دوسری جانب فقر و احتیاج کا دَور دَورہ ہو جاتا ہے جس سے انسان ڈھور ڈنگر کی صورت اختیار کر لیتے ہیں! بنابریں خانقاہی نظام کے برعکس' جو مجاہدۂ نفس اور ریاضت و مراقبہ ہی کو مقصود و مطلوب بنا لیتا ہے' اسلام نے اپنا ''ذروۂ سنام'' یعنی چوٹی کا عمل جہاد فی سبیل اللہ کو قرار دیا ہے جس کا اصل ہدف ہے: قیامِ نظامِ عدلِ اجتماعی اور ظلم و جبر اور استحصال اور استبداد کا خاتمہ!!

اسلام میں اس عدلِ اجتماعی یا سماجی انصاف یعنی سوشل جسٹس کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ اس مسئلے میں قرآن حکیم کی عام تعلیمات پر مستزاد اِن تصریحات کے جائزہ سے آسانی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے جو تین بلند ترین سطحوں یعنی ایمان باللہ' ایمان بالرسالت اور اُمت مسلمہ کے فرائض منصبی کے ضمن میں وارد ہوئی ہیں۔

(۱) اسلام کی اصل اساس ایمان باللہ ہے' اور ایمان باللہ اور معرفت الٰہی کا واحد ذریعہ اللہ کے اسماء و صفات ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء حسنٰی کی تفصیل پر مشتمل جو حدیث امام ترمذیؒ اور امام بیہقیؒ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ کا ایک نام نامی اور اسم گرامی ''العدل'' بھی ہے' یعنی سراپا عدل اور مجسم انصاف۔ قرآن حکیم میں اگرچہ اللہ تعالیٰ کا یہ نام تو وارد نہیں ہوا' تاہم متعدد مقامات پر اس کی اس شان کا ذکر موجود ہے۔ مثلاً:

(i) ﴿وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ۭ﴾ (المؤمن: ۲۰)
''اور اللہ فیصلہ کرتا ہے حق کے ساتھ۔''

(ii) ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ﴾ (الانعام: ۱۱۶)
''تیرے ربّ کی بات صدق و عدل کے جملہ معیارات کے مطابق پوری ہو چکی ہے۔''

(iii) ﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَاۗىِٕمًۢا بِالْقِسْطِ ۭ﴾
(آل عمران: ۱۸)

''خود اللہ بھی گواہ ہے اور سب فرشتے اور تمام اہل علم بھی گواہ ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' جو عدل و انصاف کو قائم کرنے والا ہے۔''

(iv) ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۝﴾ (المائدۃ' الحُجرات اور الممتحنۃ)

''اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

(۲) ایمان باللہ کے بعد درجہ اور مرتبہ ہے ایمان بالرسالت یعنی بعثت انبیاء و رُسل اور انزال کتاب و شریعت پر یقین کا۔ چنانچہ یہ بات بھی قرآنِ حکیم نے نہایت واشگاف الفاظ میں واضح کر دی ہے کہ ان جملہ امور کا اصل مقصد یہ ہے کہ ''انسان عدل و انصاف پر قائم ہوں۔''

اس اہم موضوع پر قرآنِ حکیم کی سب سے زیادہ ''انقلابی آیت'' سورۃ الحدید کی آیت ۲۵ ہے جس کے بارے میں بلاخوفِ تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ اتنے مختصر الفاظ میں اس قدر جامع اور اتنی بھرپور اور گھمبیر انقلابی عبارت کی کوئی دوسری مثال دنیا کے پورے انقلابی لٹریچر میں کہیں نہیں مل سکتی۔

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ۝﴾

اس آیۂ مبارکہ کا ترجمہ بعض تشریحی اضافوں کے ساتھ یوں ہوگا:

''یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو روشن نشانیوں (یعنی معجزات و براہین) کے ساتھ بھیجا اور اُن کے ساتھ اپنی کتاب بھی نازل فرمائی اور میزان بھی' تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں' اور (جو لوگ اس میزانِ عدل کے نصب کرنے میں رکاوٹ بنیں' ان کی سرکوبی کے لئے) ہم نے لوہا اتارا جس میں (حرب و ضرب کی) شدید قوّت ہے' اور اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کے لئے (کچھ دوسرے) فائدے بھی ہیں۔ اور (اس سے اللہ کا اصل مقصد یہ ہے) تاکہ اللہ (ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کو آزمائے اور یہ) دیکھے کہ کون ہیں جو (لوہے کی حربی قوّت کے استعمال کے ذریعے) مدد کرتے ہیں اس کی اور اس کے رسولوں کی غیب میں ہوتے ہوئے' (ورنہ) یقیناً اللہ (خود) نہایت زور آور اور مختار مطلق ہے!''

اس آیۂ مبارکہ نے نہایت واشگاف الفاظ میں واضح کر دیا ہے کہ:

اوّلاً: شریعت خداوندی کی اصل حیثیت ایک میزان عدل وقسط کی ہے جس میں انسانوں کے انفرادی اور اجتماعی حقوق وفرائض تولے جانے چاہئیں۔

ثانیاً: بعثت انبیاء ورُسل اور نزولِ وحی وکتب سے آخری مطلوب یہ ہے کہ اللہ کی عطا کردہ میزانِ عدل وقسط بالفعل نصب ہو اور جسے کچھ ملے اس میں تل کر ملے اور جس سے کچھ لیا جائے اس میں تول کر لیا جائے۔ اور اگر یہ مقصد حاصل نہ ہو تو ع ''گر یہ نہیں تو بابا پھر سب کہانیاں ہیں!'' کے مصداق رسولوں کے ساتھ عشق ومحبت کے دعوے باطل اور کتابِ الٰہی کی تلاوت وقراءت کا ذوق وشوق بے مقصد ہو جاتا ہے۔

ثالثاً: اس میزانِ عدل وقسط کو عملاً نصب کرنے کے ضمن میں جہاں اصل کام دعوت وتبلیغ، وعظ وتلقین، انذار وتبشیر اور ترغیب وترہیب سے لیا جائے گا وہاں قوّت وطاقت کا استعمال بھی قطعاً غلط یا مطلقاً ناجائز نہیں، بلکہ حسبِ ضرورت نہ صرف جائز بلکہ بعض صورتوں میں فرض اور واجب ہو جاتا ہے۔

رابعاً: جس طرح انسان کی حیاتِ دُنیوی کا اصل مقصد از روئے قرآن ابتلاء وآزمائش ہے، جیسے کہ وارد ہوا سورۃ الملک کی آیت ۲ میں جس کی ترجمانی کی ہے ترجمانِ حقیقت علامہ اقبال نے اپنے اس حکیمانہ شعر میں کہ ؎

''قلزمِ ہستی سے تو ابھرا ہے مانندِ حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی!''

اسی طرح انبیاء ورُسل کی بعثت اور کتاب وشریعت کے نزول کا مقصد اُن لوگوں کے خلوص اور صداقت کا امتحان ہے جو اللہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان کے دعوے دار ہوں کہ آیا وہ اللہ کی عطا کردہ میزانِ عدل کو بالفعل نصب کرنے اور اسلام کے نظامِ عدل وقسط کو عملاً قائم کرنے میں تن من دھن کھپاتے، حتیٰ کہ وقت آنے پر نقدِ جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں آجاتے ہیں یا نہیں!

خامساً: وہ صاحب ایمان جو اِس امتحان میں پورے اتریں اللہ کے نزدیک بلند ترین مقام ومرتبہ کے مستحق ہوں گے، یہاں تک کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے

''مددگار'' قرار پائیں گے۔

قرآن حکیم کے طالب علم جانتے ہیں کہ اس کتاب عزیز کا ایک مستقل اصول یہ ہے کہ اس میں اہم مضامین کم از کم دو مرتبہ ضرور آتے ہیں۔ چنانچہ سورۃ الحدید کی اس آیت ۲۵ کی طرح سورۃ الشوریٰ کی آیت ۱۷ میں بھی کتاب و میزان کا ذکر یکجا وارد ہوا ہے: ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ﴾ یعنی ''اللہ وہ ہے جس نے کتاب بھی حق کے ساتھ نازل فرمائی اور میزان بھی!'' اور اس سے قبل آیت ۱۵ میں نبی اکرم ﷺ کی زبانِ مبارک سے ع ''مجھے ہے حکم اذاں لا الٰہ الا اللہ'' کے انداز میں کہلوایا گیا ہے کہ ﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ﴾ یعنی ''مجھے حکم ہوا ہے کہ تمہارے مابین عدل قائم کروں!''... اسی طرح اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نصرت کا ذکر جس انداز میں سورۃ الحدید کی اس آیت کے آخر میں آیا ہے' بالکل اسی طرح سورۃ الصّف کی آخری آیت میں بھی وارد ہوا ہے۔ یعنی:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ.....﴾

''اے ایمان والو! اللہ کے مددگار بنو جیسے کہ عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا تھا کہ کون ہے میرا مددگار اللہ کی راہ میں؟ تو حواریوں نے جواب دیا تھا کہ ہم ہیں اللہ کے مددگار!''

مزید برآں یہ حقیقت بھی ذہن میں مستحضر کر لیجئے کہ سورۃ الصّف کی مرکزی آیت وہی ہے جس میں نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت یہ بیان ہوا ہے کہ جو دینِ حق یعنی نظامِ عدل وقسط آپؐ کو دے کر بھیجا گیا ہے اسے پورے نظامِ زندگی پر بالفعل قائم کر دیں۔

(۳) نبی اکرم ﷺ پر نبوت کا سلسلہ ختم ہو جانے کے بعد اب قیامت تک رسالت کے مشن کی تکمیل اور فرائض رسالت کی ادائیگی کی ذمہ داری اُمت مسلمہ پر بحیثیت مجموعی عائد ہوگئی ہے۔ اس کے ضمن میں قرآن حکیم میں جہاں سورۃ الحج کی آخری آیت اور سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۳ میں ''شہادت علی الناس'' کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے' اور سورۂ آل عمران کی آیت ۱۰۴ اور ۱۱۰ میں امر بالمعروف اور نہی

عن المنکر کے الفاظ وارد ہوئے ہیں وہاں سورۃ النساء کی آیت ۱۳۵ اور سورۃ المائدۃ کی آیت ۸ میں ذرا سی لفظی ترتیب کے فرق کے ساتھ عدل وقسط کی گواہی اور نظامِ عدل وقسط کو قائم کرنے کے لئے پوری قوّت کے ساتھ کھڑے ہو جانے کا تاکیدی حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ سورۃ النساء میں ارشاد ہوا:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ...﴾

''اے اہل ایمان! پوری قوّت کے ساتھ عدل وقسط کے قائم کرنے والے اور اللہ کے حق میں گواہی دینے والے بنو' خواہ یہ گواہی تمہارے اپنے خلاف جارہی ہو!''

اور سورۃ المائدۃ میں فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ۫﴾

''اے ایمان والو! پوری قوّت کے ساتھ اللہ کے لئے کھڑے ہو جاؤ عدل وقسط کی گواہی دیتے ہوئے' اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرنے پائے کہ تم عدل سے انحراف کرو' ہر حال میں عدل سے کام لو' یہی تقویٰ سے قریب تر ہے!''

(۴) اس مضمون کا نقطۂ عروج یہ ہے کہ قرآن مظلوم اور محروم طبقات کو صرف صبر ہی کی تلقین نہیں کرتا بلکہ انتقام لینے کی اجازت بھی دیتا ہے۔ چنانچہ انفرادی سطح پر تو سورۃ النساء کی آیت ۱۴۸ کے یہ الفاظ کفایت کرتے ہیں کہ:

﴿لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ﴾

''اللہ کو بُری بات بلند آواز سے کہنا بالکل پسند نہیں' سوائے اس کے جس پر ظلم ہوا ہو!''

اور اجتماعی سطح پر یہ بات نہایت واشگاف الفاظ میں فرمائی گئی ہے سورۃ الشوریٰ کی آیت ۳۹ میں' جہاں ایسے لوگوں کا ذکر مدح وستائش کے انداز میں کیا گیا ہے:

﴿وَ الَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَھُمُ الْبَغْیُ ھُمْ یَنْتَصِرُوْنَ﴾

''جن پر ظلم اور زیادتی کی جائے تو وہ اس کا بدلہ او انتقام لیتے ہیں۔''

اور پھر آیات ۴۱ اور ۴۲ میں مزید تصریح کی گئی ہے کہ:

﴿وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِکَ مَا عَلَیْھِمْ مِّنْ سَبِیْلٍ ۝ اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَی الَّذِیْنَ یَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَیَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۝﴾

''جو کوئی انتقام لیتا ہے اس کے بعد کہ اس پر ظلم کیا گیا ہو تو ایسے لوگوں پر نہ کوئی الزام ہے نہ ملامت۔ الزام اور ملامت کے قابل تو وہ ہیں جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں (یعنی ان کے سماجی' سیاسی اور معاشی حقوق غصب کرتے ہیں) اور زمین میں ناحق سرکشی کرتے ہیں (یعنی مستکبرین اور مترفین کی صورت اختیار کر لیتے ہیں) ایسے ہی لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے!''

ان اختتامی الفاظ میں گویا کہ اشارہ موجود ہے کہ ان ظالموں اور مستکبرین کو آخرت میں تو سزا ملے گی ہی' دُنیا میں بھی نہ صرف یہ کہ ان کے ہاتھ روکنے کی بھرپور سعی ہونی چاہئے بلکہ ضرورت پیش آئے تو سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۷۹ میں وارد شدہ الفاظ ﴿وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ یّٰاُولِی الْاَلْبَابِ﴾ یعنی ''اے ہوش مندو! تمہارے لئے قصاص ہی میں زندگی ہے!'' کے مطابق ایسے لوگوں کو بھرپور سزا دینے حتّٰی کہ ان کی سرکوبی کرنے سے بھی گریز نہیں کیا جانا چاہئے!

حاصل کلام یہ ہے کہ بحیثیت دین' اسلام کی اعلیٰ ترین قدر سماجی اور تمدنی انصاف ہے اور اقامت دین یعنی اسلامی انقلاب کا اصل ہدف یہ ہے کہ اللہ کا عطا کردہ متوازن اور معتدل نظامِ عدلِ اجتماعی (سسٹم آف سوشل جسٹس) قائم کیا جائے۔

آخر میں عربی زبان کے اس مقولے کے مطابق کہ "اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ" یعنی ''اصل فضیلت اور خوبی وہ ہے جس کا اعتراف دشمن بھی کریں'' ایک شاتم رسولؐ کی گواہی پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میری مراد ایچ جی ویلز سے ہے جس نے نبی اکرم ﷺ کی ذاتی اور ازدواجی زندگی پر نہایت رکیک حملے کئے ہیں' لیکن اس نے بھی